"مِنۡ دُونِهٖۤ اَوۡلِیَاءَ"
ماتحت خدا کا تصور

مولانا سید اخلاق حسین قاسمی دہلوی

اللہ تعالیٰ' جو حقیقی خالق' مالک اور رب ہے' اسی نے پیدا کیا' وہی اپنی ساری مخلوق کا پرورش کرنے والا' پالنے والا اور کارخانہ ہستی کو کسی کی شرکت کے بغیر چلانے والا ہے۔ سورۃ الاعراف کی آیت ۳ میں ارشاد فرمایا:

اِتَّبِعُوا مَا اُنۡزِلَ اِلَیۡکُمۡ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ وَلَا تَتَّبِعُوا مِنۡ دُونِهٖۤ اَوۡلِیَاءَ قَلِیۡلًا مَّا تَذَکَّرُوۡنَ ○

"چلو اسی پر جو اترا تم پر تمہارے رب کی طرف سے اور نہ چلو اس کے سوا اور رفیقوں کے پیچھے' تم بہت کم دھیان کرتے ہو۔" (ترجمہ شیخ الہندؒ)

یعنی اے مشرکو! تم اسے چھوڑ کر اپنے بنائے ہوئے اور اپنے مقرر کردہ مددگاروں اور من گھڑت و خود ساختہ کارسازوں کے پیچھے نہ چلو' ان بے حقیقت نام نہاد خداؤں کو نہ پکارو اور نہ ان کی پوجا و پرستش کرو۔ دنیا کی تمام مشرک قوموں کے شرک و کفر کا بنیادی سبب اور بنیادی محرک اس آیت میں بیان کیا گیا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اصول تفسیر کی مشہور کتاب "الفوز الکبیر" میں اور حکمت شریعت کی اہم کتاب "حجۃ اللہ البالغہ" میں اہل عرب کے شرک کی حقیقت بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ عرب کے مشرکین خدائے واحد کی ہستی کو تسلیم کرتے تھے اور خالق کائنات اللہ تعالیٰ ہی کو مانتے تھے۔

سورۃ النمل کی آیات ٦٠ تا ٦٥ (اَمَّنۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ...... تا اَمَّنۡ یَّبۡدَؤُا الۡخَلۡقَ..... قُلۡ هَاتُوۡا بُرۡهَانَکُمۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ○)---- میں اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کی تخلیق' بارش کے نزول' کھیتیوں اور باغات کی پیدائش'

مشکلات و مصائب میں بے قراروں کی پکار کو سننے اور انہیں قبول کرنے کی قدرت اور حکمت پیش کرکے بار بار یہ سوال کیا کہ : "ءَاِلٰـهٌ مَّعَ اللّٰهِ؟" کیا اس خدائے واحد کے ساتھ کوئی دوسرا خدا اور حاکم اس قدرت و قوت میں اس کا شریک ہے؟ ان آیات میں صرف سوال کیا گیا ہے، جبکہ سورۃ العنکبوت (آیات ٦١ اور ٦٣) میں ان سوالوں کا مشرکین کی طرف سے جواب بھی نقل کیا گیا ہے کہ : "لَيَقُولُنَّ اللّٰهُ" یعنی وہ ضرور یہی جواب دیں گے کہ اللہ ہی کے ہاتھ میں یہ قدرت و طاقت ہے! --- چنانچہ مشرکین یہی کہتے تھے اور یہی ان کا عقیدہ تھا۔ اسی لئے آگے فرمایا : "قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ۚ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝" یعنی اے نبی! کہو کہ خدا کا شکر ہے کہ تم اس حقیقت کو مانتے ہو، لیکن اکثر لوگ ماننے کے باوجود عقل سے کام نہیں لیتے۔ یعنی خدائے واحد کے معاملات کو دنیوی بادشاہوں کے معاملات پر قیاس کرکے گمراہ ہو جاتے ہیں۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ مشرکین عرب پادشاہانِ دنیا کے معاملات پر قیاس کرکے یہ کہتے تھے کہ جس طرح پادشاہان عالم اپنی سلطنت کے وسیع کاروبار کو چلانے کے لئے مختلف علاقوں اور صوبوں میں اپنے گورنر اور صوبے دار مقرر کرتے ہیں اور ان کو کاروبار حکومت چلانے کے لئے محدود اختیارات دیتے ہیں، رعایا کے حق میں ان گورنروں کی سفارش قبول کرتے ہیں، بنیادی کاموں اور اہم امور سلطنت میں صرف بادشاہ کا اختیار چلتا ہے لیکن جزوی اور وقتی معاملات میں ماتحت حاکموں کی حکومت ہی چلتی ہے، یہی نقشہ خداوند عالم کے نظام سلطنت کا ہے۔ اس خدائے مطلق نے اپنے بندگان خاص کو ماتحت خدائی کے درجہ سے سرفراز کیا ہے، اس لئے ہم ان خاص ہستیوں کو خوش رکھنے اور ان کی ناراضگی سے بچنے کے لئے ان کی عبادت کرتے ہیں۔

کعبۃ اللہ میں رکھے ہوئے ٣٦٠ بت دراصل ان مشرکین کے انہی بزرگوں کی مورتیاں تھیں۔ ان میں حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی خودساختہ تصویریں بھی تھیں اور وہ اسی خیال کے تحت ان سب کی عبادت کرتے تھے۔ بعض بالکل بے عقل گمراہ ایسے بھی تھے جو فرشتوں کو کائنات عالم کا مدبّر اور چلانے والا سمجھ کر ان کو پکارتے تھے۔ یہاں تک کہ اندھی عقیدت کے جوش میں انہیں خدا کی بیٹیاں کہتے تھے۔ خدا کے وجود کے

منکروں اور آخرت کے منکروں کا بھی ایک گروہ موجود تھا۔

عام طور پر عرب ملتِ ابراہیم کے بنیادی عقائد ' آخرت' تقدیر اور جزاء و سزا کے قائل تھے۔ مشرکین عرب اپنے بتوں کے بارے میں جو عقیدہ رکھتے تھے اسے قرآن کریم نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے :

اَلَا لِلّٰہِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ ' وَالَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِہٖٓ اَوْلِیَآءَ ' مَا نَعْبُدُھُمْ اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَآ اِلَی اللّٰہِ زُلْفٰی (الزمر:۳)

"خبردار! خالص بندگی اور اطاعت اللہ تعالیٰ ہی کا حق ہے' اور وہ لوگ جنہوں نے اللہ کے سوا دوسرے کارساز مقرر کر رکھے ہیں (وہ اپنے اس فعل کی توجیہ یہ کرتے ہیں کہ) ہم ان کی عبادت صرف اس لئے کرتے ہیں کہ وہ اللہ تک ہماری رسائی کرادیں۔"

یعنی اصل معبود ہمارے نزدیک اللہ ہی ہے۔ البتہ ہم چند کارگزار خداؤں کی ضرورت سمجھتے ہیں۔

سورۂ ص (آیت ۵) میں وحدتِ الٰہ (ایک خدائی) کے عقیدہ پر مشرکین عرب کے اظہار تعجب کو بایں الفاظ نقل کیا گیا :

اَجَعَلَ الْاٰلِھَۃَ اِلٰھًا وَّاحِدًا ' اِنَّ ھٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ ○

"کیا (محمد ﷺ نے) کئی خداؤں کی جگہ ایک ہی خدا مقرر کر دیا؟ یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔"

کیونکہ ان کے خیال میں کارخانہ ہستی کے بے شمار کام صرف ایک پروردگار سے نہیں چل سکتے' اس لئے اس نے اپنے ماتحت بہت سے کارگزار حاکم مقرر کر رکھے ہیں۔

شاہ صاحبؒ نے "آلِھَۃ" کا ترجمہ مصدری کیا ہے۔ دوسرے حضرات نے واحد اور جمع کا ترجمہ کیا ہے۔ فرماتے ہیں :

"کیا اس نے کر دی اتنوں کی بندگی کے بدل ایک ہی کی بندگی؟"

یعنی ہمارا کام تو سینکڑوں کارگزار اور ماتحت خداؤں اور حاکموں کی بندگی اور چاکری سے بھی نہیں چلتا۔ بھلا ایک خدا کی (وہ حقیقی اور اصلی سہی) بندگی سے کیسے سارے کام چل سکتے ہیں؟ ---- "آلِھَۃ" کے مصدری معنی کر کے شاہ صاحب نے مشرکین کے مدعاء کو اچھی

طرح واضح کردیا۔ شاہ صاحب" فرماتے ہیں کہ چونکہ عام شریعتوں میں یہ موجود ہے کہ خدا تعالی نے فرشتوں کو کارخانۂ عالم کے کاموں پر مامور کر رکھا ہے اور خدا تعالی اپنے خاص بندوں کی دعائیں' ان کے اپنے حق میں اور دوسروں کے حق میں قبول فرماتا ہے' اس لئے ان مشرکین کو غلط فہمی ہوئی اور انہوں نے اسے ان ہستیوں کا ذاتی اختیار اور ذاتی تصرف خیال کرلیا' حالانکہ ایسا نہیں۔۔۔۔یہ سب ہستیاں ہر حال میں خدا کی محتاج ہیں۔

مشرکینِ عرب ہوں یا مشرکینِ عجم۔۔۔انہیں خدائے واحد کی حکومت کو دنیوی بادشاہی پر قیاس کرنا ہی تھا تو پھر انہوں نے بادشاہ وقت اور اس کے غلاموں کے معاملات پر قیاس کیوں نہ کیا؟ بادشاہ عالم اپنے لونڈی غلاموں سے جس طرح اپنا کام لیتے ہیں' وہ اپنے آقا کے حضور میں ہر وقت ہاتھ باندھے کھڑے رہتے ہیں' جو حکم بارگاہ شاہی سے صادر ہوتا ہے اس کی بے چون وچرا تعمیل کرتے ہیں' نہ ان کے پاس کوئی اختیار ہوتا ہے اور نہ ان کی کوئی بااختیار حیثیت ہوتی ہے۔ اسی طرح خداوند حقیقی کے اس کارخانہ ہستی میں چاند' سورج اور ستاروں' ہواؤں اور دریاؤں' فرشتوں اور بندگانِ خاص' ولیوں اور بزرگوں کی حیثیت ان اطاعت شعار غلاموں کے برابر سمجھنی چاہئے۔ قرآن کریم نے خدا تعالی کے حق میں اسی قسم کی غلط تمثیلوں سے روکا ہے :

فَلَا تَضْرِبُوا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ۚ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّمَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّجَهْرًا ۚ هَلْ يَسْتَوٗنَ ۚ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ۚ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَآ اَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّهُوَ كَلٌّ عَلٰى مَوْلٰىهُ ۙ اَيْنَمَا يُوَجِّهْهُّ لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ ۭ هَلْ يَسْتَوِيْ هُوَ ۙ وَمَنْ يَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ ۙ وَهُوَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝

(النحل : ۷۵-۷۶)

"(دنیا کے بادشاہوں پر قیاس کرکے) اللہ کے حق میں غلط مثالیں نہ گھڑو۔ اللہ جانتا ہے' تم نہیں جانتے۔ (اور صحیح مثال یہ ہے کہ) اللہ تعالی مثال دیتا ہے کہ ایک تو ہے غلام' جو دوسرے کی ملک ہے' خود کوئی قدرت اور اختیار نہیں رکھتا۔ اور دوسرا

شخص وہ ہے جسے ہم نے اپنی طرف سے بہترین روزی عطا کی ہے' پھر وہ اس میں سے چھپے اور کھلے خرچ کرتا ہے۔ کیا یہ دونوں برابر ہیں؟ تمام شکر اور سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں' مگر اکثر لوگ (اس سیدھی بات کو بھی) نہیں جانتے۔ اور اللہ تعالیٰ دو شخصوں کی مثال بیان کرتا ہے' جن میں سے ایک گونگا بہرا ہے' کوئی کام نہیں کر سکتا' اپنے مالک پر بوجھ ہے' جہاں بھی وہ اسے بھیجے وہ کوئی اچھا کام کر کے نہ لا سکے۔ کیا یہ ناکارہ غلام اس شخص کے برابر ہو سکتا ہے جو عدل و انصاف کا حکم دیتا ہے اور خود بھی سیدھی راہ پر قائم ہے؟

خود ساختہ اور بناوٹی معبودوں اور معبودِ برحق کے درمیان جو فرق ہے وہ ان مثالوں سے واضح ہوتا ہے۔ یہ فرضی دیوی دیوتا اور دوسری تمام بزرگ ہستیاں نہ صرف اس معبودِ برحق کے مقابلہ میں اختیار و قدرت سے محروم ہیں بلکہ دوسروں کو فائدہ پہنچانے کے لحاظ سے انتہائی بے کار اور سننے اور کسی کے کام آنے سے بالکل معذور ہیں۔ "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ" کا فقرہ بتا رہا ہے کہ ان مثالوں پر مشرکین کی طرف سے تسلیم و اقرار یا خاموشی دونوں صورتیں ان پر اتمامِ حجت کی تھیں۔

عکسی اور ظِلّی معبود:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم (اہل عراق اور نمرود)' حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم (اہل مصر اور فرعون)' حضرت مسیح علیہ السلام کی امت' عیسائی قوم اور ہندوستان کے اہل شرک جس قسم کے شرک میں مبتلا رہے ہیں' اسے ہم اصلی خدا کے ساتھ عکسی اور ظلی خداؤں کا تصور کہہ سکتے ہیں۔

صفاتِ الٰہی کے ظہور اور مظاہرِ صفات کا تصور اسلام بھی پیش کرتا ہے' مگر ان مذکورہ قوموں نے چاند ستاروں' ثوابت اور سیاروں' انبیاء و اولیاء اور جملہ طبعی قوتوں' دریاؤں' درختوں اور دولت و سلطنت میں خدا کی صفات کے ظہور کو اس طرح مانا کہ خدا ان میں حلول کرتا ہے اور یہ خدا کے اوتار ہیں۔ مولانا ابوالکلام آزادؒ نے اس نظریئے کا خوب تجزیہ کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

(باقی صفحہ ۳۴ پر)